اسلامی اور مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی

سید علی جواد ھمدانی*
alihamadani@gmail.com

کلیدی کلمات: تعلیم، تعلیم و تربیت، فلسفی مبانی، اسلام اور مغرب

خلاصہ

انسانی نشو و نما میں تعلیم و تربیت ایک اہم ترین عنصر ہے۔ اسی لئے تمام ادیان اور مکاتب فکر اس پر انتہائی تاکید کرتے ہیں۔ اسلام بنی نوع بشر کے لئے آخری اور کامل ترین دین ہونے کے ناطے بشری زندگی کے تمام شعبوں کے لئے حقیقی اور مکمل دستور العمل اور قواعد و ضوابط کا حامل ہے۔ اب یہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ ہر شعبے کے لئے اُن کی بنیاد پر مکمل منصوبہ بندی سے تفصیلی لائحہ عمل تیار کریں۔ بد قسمتی سے اس وقت کسی بھی شعبہ زندگی میں ایسا نظر نہیں آتا۔ آج ہمارا تعلیم و تربیت کا شعبہ مکمل طور پر مغربی الحادی افکار کی بنیاد پر استوار ہے۔ اس مختصر مقالے کا ہدف تعلیم و تربیت کے حوالے سے اسلام اور مغرب کی پیش کردہ اساسی اور آفاقی فکری بنیادوں کے عمیق اختلاف کی طرف توجہ مبذول کروانا ہے۔
اسلامی اور مغربی تعلیم و تربیت کی یہ اساسی اور آفاقی فکری بنیادیں جنہیں یہاں فلسفی مبانی کا نام دیا گیا ہے، چار اہم گروہوں میں زیر بحث لائے گئے ہیں: ۱) تعلیم و تربیت کے علمیاتی (Epistemological) مبانی، ۲) تعلیم و تربیت کے تصور کائنات سے مربوط (Ontological) مبانی، ۳) تعلیم و تربیت کی اقدار Axiological) کے نظام کے بارے میں مبانی، ۴) اور تعلیم و تربیت کے انسانی (Anthropological) مبانی۔
ان بنیادی تصورات یا مبانی کا اسلامی اور مغربی مکاتب میں اختلاف کا مطالعہ، ہمارے لئے اپنی تعلیم یافتہ نسل کی دین سے دوری کے عوامل کی پہچان، ان کی روک تھام اور اُس کی صحیح سمت میں رہنمائی اور تربیت کی طرف پہلا قدم، نیز ایک اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل کی ابتدائی تدبیر ہے۔

---

*۔ اسٹوڈنٹ ایم فل اسلامک فلاسفی، جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ، قم، ایران۔

موضوع کی ضرورت اور اہمیت:

ہر قسم کی علمی ترقی در حقیقت فکری ارتقاء میں پوشیدہ ہے اور تمام انسانی علوم شعوری یا لاشعوری طور پر کسی نہ کسی خاص فلسفے پر مبنی ہیں۔ انہی فلسفوں کا باہمی تضاد ہی انسانی علوم میں موجود نظریات و تصورات کے اختلاف کا باعث بنتا ہے۔ جیسے مادہ پرستانہ فلسفی نظام (Materialism) کے تابع ہر مکتب فکر محسوسات سے ماوراء کسی غیبی حقیقت کو قبول نہ کرے گا، یا جو عدمیّت (Nihilism) کے فلسفے کے زیر اثر ہوگا تو وہ انسانی اقدار کو کوئی اہمیت نہ دے گا اور ہر موقعے کو لذتیّت (Epicureanism) کے لئے استعمال کرے گا۔

مندرجہ بالا پس منظر کے ساتھ ہمیں اپنے افکار و تصورات کی صحیح فلسفی فکر کے ذریعے پرورش کی ضرورت ہے۔ یہی فلسفہ نہ صرف انسان کی علمی، فکری اور سماجی شخصیت کی بنیاد فراہم کرتا ہے، بلکہ پورے انسانی نظام فکر و عمل پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں تمام تربیتی مکاتب فکر (Educational Schools of Thought) انسانی خلقت کے ہدف اور اس کے اعلیٰ ترین مرتبہ کمال و سعادت کے بارے میں اپنا خاص تصور اور نکتہ نظر پیش کرتے ہیں۔ تصورات کے اس مجموعے سے ہر مکتب کی تہذیب و تمدن اور تعلیم و تربیت کی بنیاد پڑتی ہے اور اس بنیاد پر زندگی کے مختلف شعبوں کے اصول و مبادیات تشکیل پاتے ہیں اور مربوط شعبے کے عملی میدان میں ان اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے طریقہ کار اپنائے جاتے ہیں۔ ان بنیادی ترین تصورات کو یہاں ہم نے "مبانی" کا نام دیا ہے۔ گویا مبانی، اصول و مبادی کی بنیاد ہیں۔ چونکہ ہر مکتب تمام شعبہ ہائے زندگی کے بارے میں اپنی خاص نگاہ رکھتا ہے لہٰذا انسانی علوم کے تمام مسائل اس مکتب کے فلسفی مبانی سے مربوط ہوتے ہیں۔

انسانی علوم کا موضوع بلاواسطہ یا بالواسطہ انسان ہی ہوتا ہے اور تعلیم و تربیت براہ راست انسان سے وابستہ ہے۔ انسان کس طرح نشو و نما پاتا ہے؟ پلنے اور بڑھنے کے ہر مرحلے (بچپن، بلوغ، نوجوانی، جوانی۔۔) میں اس کے اندر کس قسم کی روحانی، نفسیاتی اور عملی صفات وجود میں آتی ہیں؟ انسان کی پسند و ناپسند، احساسات، جذبات اور طور طریقے کس رخ میں پروان چڑھتے ہیں اور کس ڈگر پر ان کی نشو نما ہونی چاہیے؟ عورت اور مرد کی شخصیت، ان کے فطری و حیاتیاتی فرق کو کس مرحلے میں مدّنظر رکھا جائے؟۔۔۔ وغیرہ کے بارے میں اصول و مبادیات اور طریقہ کار، تربیتی مبانی کے ذریعے واضح ہوتے ہیں۔

انسانی عقل و تصور کے اجزاء اور نظام کس طرح کا ہے اور کیسے عمل کرتا ہے؟ انسان اپنے ارد گرد کی اشیاء کو کس طرح درک کرتا ہے؟ اس کا اپنے ماحول کی نسبت عکس العمل کس قسم کا ہوتا ہے؟ اس لامتناہی اسرار سے بھرے

موجود کو کس تعلیمی اور تربیتی پروگرام کے کنڑول میں قرار دیا جائے؟۔۔۔ جیسے بے شمار سوالوں کی تشریح و تفصیل اور حل تعلیم وتربیت کے بنیادی ترین اصولوں یعنی مبانی میں پوشیدہ ہے۔ جب تک ان سوالوں کا بنیادی ترین تسلی بخش جواب واضح نہ ہو، انسانی تعلیم اور تربیت کی صحیح اور قابل ستایش منصوبہ بندی نہیں ہو سکتی۔
تعلیم وتربیت یا تعلیمی نظام کے مبانی سے آشنائی کی ضرورت اور اہمیت اس مثال سے واضح ہو سکتی ہے۔ فرض کریں ہم ایک شاندار عمارت تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یقینی طور پر اس عمارت کی بنیادوں اور ان پر وجود میں آنے والی تعمیرات کو ایک ماہرانہ اور تفصیلی نقشے کے تحت اول سے آخر تک پایۂ تکمیل کو پہنچائیں گے۔ اگر یوں نہ کریں تو کبھی بھی اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ اگر ہم زیر زمین بنیادوں کو تو ایک ماہر تعمیرات کے نقشے کے تحت تیار کروایں، جبکہ اوپر کھڑی ہونے والی عمارت کو کسی دوسرے ماہر تعمیر کے نقشے کے تحت بناوائیں، جسے زیر زمین بنیادوں کے ڈیزائن کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو آپ خود اندازہ لگائیں اس قسم کی عمارت جس کی بنیادوں اور اوپر تعمیر کی گئی عمارت میں ہم آہنگی نہ ہو، کتنی پائیدار ہو گی!
بالکل اسی طرح اگر کسی معاشرے کے تربیتی مبانی تو اسلامی ہوں جبکہ جن تربیتی اہداف، عمومی اصول و مبادی، طریقہ کار اور انسانی قابل تربیت پہلووں کا انتخاب کیا جائے وہ مغربی تربیتی مبانی کے تحت ہوں، تو جو نسل ہم معاشرے کو پروان چڑھا کر پیش کریں گے اس کی شخصیت کتنی پائیدار اور بااعتماد ہو گی؟ نیز وہ نسل انسانی، دینی، سماجی اقدار، اجتماعی تصوارت اور اخلاقی نظریات کی کتنی پاسداری کرنے والی ہو گی؟
انسان جب کوئی اصول بناتا ہے تو اس کے پیچھے لازمی طور پر اقدار، اخلاق، معاشرت اور تمدن کا کوئی خاص نقشہ (تصور و نظریہ حیات) کارفرما ہوتا ہے، جس کے مطابق وہ اپنی زندگی ڈھالنا چاہتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے کسی اصول یا قدر کو پایمال کرتا ہے تو دراصل اپنے نظام اقدار اور نظام حیات کے اُن بنیادی تصورات کی نفی کرتا ہے جن پر وہ اصول اور اقدار قائم تھیں۔
آج مسلمانوں کا المیہ یہ کہ ان کا تعلیمی اور تربیتی نظام، اہداف اور طریقۂ کار، اسلام کے سنہری اصولوں، تعلیمات اور بنیادی تصورات سے ہماہنگ نہیں ہے۔ اور یہی تضاد، ان کے تعلیمی اور تربیتی نظام کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا باعث بن رہا ہے۔ آج مسلمان نسل کا ایک بہت بڑا حصّہ مسلمان ممالک میں پائے جانے والے ناقص تعلیمی اور تربیتی نظام کی وجہ سے شکست خوردہ اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ مغربی تعلیم کے ساتھ وہاں کی تہذیب اور فلسفۂ حیات اور مبانی کو بھی بعینہٖ قبول کر رہا ہے۔

ذرائع ابلاغ کے اس جدید ترین دور میں ہماری تہذیب، ثقافت اور دینی و انسانی اقدار، مغربی تہذیب کی یلغار کی زد پر ہیں۔
ہماری مزید غفلت ہمیں تہذیبی عالمگیریت (Cultural Globalization) کی سیاست کے بھنور میں ایسا لے ڈوبے گی کہ ہم اپنی تہذیب و ثقافت اور اسلامی شناخت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ لہٰذا اسلامی تعلیم و تربیت کے موضوع پر بحث کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں اسلامی اور مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کے باہمی مقایسہ کی اہمیت بھی اجاگر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تاریخی طور پر انسانوں کے لئے کسی بھی چیز کی قدر و قیمت کے جانچنے اور سمجھنے کے لئے موازنہ اور مقایسہ انتہائی اہم اور موثر طریقہ شمار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ عین ممکن ہے کہ ہم اس تطبیقی مطالعہ اور مقایسہ کے ذریعے اپنی تعلیمی اور تربیتی نظام کے انحطاط اور تنزلی کی وجوہات کو بہتر سمجھ پائیں اور ان کی روک تھام کے لئے صحیح سمت میں قدم اٹھا سکیں۔

موضوع سے مربوط چند کلیدی الفاظ اور مفاہیم:

ا۔ تربیت: تربیت عربی میں۔ "ربو" بمعنی زیادہ ہونا سے لیا گیا ہے۔ "ربا الشئی :ای زاد و نما" (1) یعنی چیز زیادہ ہوئی اور پروان چڑھی۔ اور انسانی تربیت سے مراد، انسانی استعداد کی پرورش یعنی ایک شخص کی استعداد کو پروان چڑھانے کے لئے وسائل کی فراہمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو لغت میں تربیت کا معنی تعلیم، تادیب، اخلاق و تہذیب کی تعلیم، سکھانا، سدھانا، (اور) پرورش بیان ہوا ہے (2)۔
البتہ تربیت کے بارے میں مختلف افراد نے اپنی مخصوص علمی قابلیت اور تجربہ کی بنیاد پر اور حیات انسانی سے مربوط اپنے تصورارت و نظریات کی رو سے مختلف تعریفیں پیش کیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تعریفیں زیادہ تر کوئی خاص انسانی پہلو اجاگر کرتی ہیں اور ایک مکمل اور جامع تعریف کے زمرے میں شمار نہیں ہوتیں۔ مثلاً تعلیمی میدان میں مصلحت اندیشانہ (Pragmatism) فلسفی نظام فکر کے پیرو معروف اور بااثر امریکی مفکر جان ڈیوی (John Dewey) (3) کے مطابق، بچوں کو آغاز سے ہی ڈیموکریسی کی مشق کرانی چاہیے، جبکہ جان شاتو (Jean Chateau) (4) کی نظر میں تربیت یعنی ایک آزاد اور منظّم شخصیت اور بااخلاق فرد بننے کے لیئے بچے کی مدد کرنا ہے۔

قرآن وحدیث میں تربیت کے لفظ کی جگہ زیادہ تر تزکیہ اور تأدیب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تزکیے اور تربیت کا مشترک معنی پرورش اور پروان چڑھانا ہی ہے۔

۲۔ تعلیم: عربی لغت میں، التعیلم :اختص بما یکون بتکریر و تکثیرحتی تحصل منه ا ثرفی نفس المتعلم(5)؛ یعنی: تعلیم مخصوص ہے ایک عمل کی تکرار اور کثرت سے تاکہ سیکھنے والے کے نفس پر اس کا اثر حاصل ہو۔

اردو لغت میں: (بھی) تعلیم سے مراد علم پڑھنا(حاصل کرنا)، ہدایت، کسی کو کچھ سکھانا، پڑھانا، (اور) تہذیب بیان ہوا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں علم کی ماہیت ایک نور کی مانند ہے جو خداوند متعال کی جانب سے خاص شرائط میں قابل اور باصلاحیّت نفوس کو عطا ہوتا ہے، لہٰذا حقیقی معلم ذات خداوند متعال ہے جو علمی کمالات کو با استعداد انسانی نفوس کو عطا فرماتا ہے۔ تربیت کی طرح تعلیم کے بارے میں بھی مختلف تصورات اور نظریات کے تحت کئی تعریفیں موجود ہیں۔

۳۔ تعلیم اور تربیت کا آپس میں رابطہ:

اردو زبان میں بعض اوقات تعلیم کی جگہ تعلیم اور تربیت اکٹھے (مترادف) استعمال ہوتے ہیں جبکہ اوپر بیان کی گئی (تعریفوں) تعریف میں تعلیم کے اور تربیت کے علیحدہ علیحدہ اردو اور عربی میں اور آیات وروایات کے مطابق، نیز بعض دوسرے مفکرین کی نظر میں تعلیم اور تربیت کے معنی علیحدہ علیحدہ بیان کیے گئے ہیں۔

عمومی طور پر "تربیت" کا مفہوم، "تعلیم" کے مفہوم سے وسیع تر ہے، اور جب تعلیم و تربیت اکٹھے استعمال ہوتے ہیں تو یہ اصطلاح (مرکب) تربیت کے معنی میں ہی استعمال ہوتی ہے۔ بعض مغربی زبانوں میں ایجوکیشن (Education) کا لفظ اسی مفہوم کا ہم معنی ہے۔ کیونکہ خود لفظ ایجوکیشن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ دو دیگر لاطینی الفاظ سے مشتق ہے:

الف: Educare (لاطینی: ایدوکارے)　　**ب**: Educere (لاطینی: ایدوچرے)

پہلے لفظ Educare کا وسیع معنی ہے جو حیوان اور انسان دونوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی پروان چڑھانا اور شکل وصورت دینا (تہذیب) ہیں۔ جبکہ دوسرے لفظ Educere کے معنی باہر کی طرف ہدایت کرنا اور پرورش کرنا اور انسان کی بالقوہ توانائیوں کو عملی کرنا ہے؛ اس لحاظ سے اس انسانی پہلو سے دوسرے لفظ کی اہمیت اور حیثیت زیادہ ہے۔ لیکن یہ دونوں معنی Education کے لفظ میں پوشیدہ ہیں۔

(Craft (1984) noted that there are two different Latin roots of the English word "education." They are "educare," which means to train or to mold, and "educere," meaning to lead out. While the two meanings are quite different*, they are both represented in the word "education."* Thus, there is an etymological basis for many of the vociferous debates about education today. The opposing sides often use the same word to denote two very different concepts. One side uses education to mean the preservation and passing down of knowledge and the shaping of youths in the image of their parents. The other side sees education as preparing a new generation for the changes that are to come:
http://eric.ed.gov/?id=EJ724880)

یہاں تعلیم یا تعلیم و تربیت مترادف ہے Education کے، اس لحاظ سے اس میں استاد کا عمل اور اقدامات شامل ہیں جن کا مطلوبہ نتیجہ اور اثر شاگرد پر پڑتا ہے۔ لہٰذا نظام تعلیم میں استاد کے کردار سے جو ضروری شرائط اور ابتدائی مراحل کی تیاری میں انتہائی اہم ہے، کوئی غافل نہیں ہو سکتا(6)۔

اس تحقیق میں تعلیم وتربیت کے اسی معنی و مفہوم کے تحت اسلامی اور مغربی نظام تعلیم کا مطالعہ کریں گے۔

یہاں یہ بھی وضاحت کر دیں کہ علم کی بھی رائج عام تعریف ہی مدّ نظر ہے؛ یعنی Knowledge اور Science جو درج ذیل ہے:

Knowledge: facts, information, and skills acquired by a person through experience or education.

Science: a systematically organized body of knowledge on a particular subject.

جبکہ اسلام میں علم کی حقیقت اس سے مکمل طور پر مختلف ہے؛ پیغمبر اکرم ﷺ کی فرمایش کے مطابق: العلم نور یقذفه الله فی قلب من یشاء؛ علم ایک نور ہے جسے خداوند متعال جس کے قلب میں چاہے ڈال دیتا ہے۔ البتہ اس علم کا معیار حق تعالی کی معرفت اور آگاہی ہے۔ اگر یہ آگاہی حق تعالی کے فعل سے مربوط ہو جیسے فطرت کے جاری قوانین اور علتوں کا جاننا، تو اس کی ایک مثال قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے حواری آصف بر خیا ہیں، جن کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا تو بلقیس کے تخت کو آنکھ جھپکنے میں یمن سے بیت المقدس لے آتے ہیں۔ یہ حقیقی علم ہے جو عالم ملک کی تکوینیات پر تصرف ہے جسے یقذفه الله فی قلب من یشاء کہتے ہیں اور اس کے حصول کا ایک پہلو شرعی تزکیہ ہے۔

اور اگر معرفت حق تعالی کے قول سے آگاہ ہونا ہو تو یہ عالم ملک و ملکوت پر دسترسی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: و کذلك نری ابراهیم ملکوت السموات و الارض؛ بہرحال حق تعالی کے قول و فعل ایک دوسرے کے مصدّق ہیں۔ اور ہر جہالت گمراہی اور تاریکی ہے جو معرفت اور آگاہی کے نور سے فنا ہوتی ہے۔

نتیجہ یہ کہ علم و معرفت نور ہے لیکن حق تعالی کی معرفت کے ہمراہ، کہ ان سب کے مراتب ہیں اور یہ نور سوائے بے عیب فطرت کے حاصل نہیں ہوتا۔ تحریر حاضر میں علم کا عام رائج معنی پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کی گئی ہے، کیونکہ اسلامی نکتہ نظر سے علم اس رائج تعریف سے اعلی درجے کی حقیقت ہے اور اس کی تعلیم اور حصول کے مبانی، اصول اور طریقہ کار یکسر مختلف ہیں۔

۴۔ مبانی، اصول و مبادی اور طریقہ کار

مبانی:

تربیتی علوم کی اصطلاح میں مبانی اور اصول و مبادیات کے لئے مختلف معانی ذکر ہوئے ہیں بعض کے مطابق: تعلیم اور تربیت کے مبانی، انسان کی موقعیت، امکانیات اور حائل روکاٹوں اور انسانی زندگی کی اہم ضروریات سے متعلق بحث کرتے ہیں(7)۔ ایک تعریف میں مبانی سے مراد ان نظری علوم کا سلسلہ ہے جن کا موضوع انسان ہے، جس میں تصور کائنات، تصور انسان اور نظریہ علم (علمیات) شامل ہیں۔ ان معارف کا تعلق انسانی فکر و عقیدے اور تصور حیات کے اصولوں سے ہے(8)۔

جبکہ شہید مرتضی مطہری اس ضمن میں فرماتے ہیں: جو کچھ حکماء اور فلاسفر حکمت کی تقسیم بندی میں حکمت نظری (Theoretical Wisdom) اور حکمت عملی (Practical Wisdom) میں پیش کرتے ہیں، اسے ہی ایک دوسرے پہلو سے مبانی اور اصول کہہ سکتے ہیں(9)۔ حکمت نظری (مبانی) یعنی "کائنات کا ادراک (تصوّر کائنات) ایسے جس طرح کہ موجود ہے" اور حکمت عملی (اصول) یعنی "طرز حیات کا ادراک (تصوّر حیات) جیسے کہ ضروری اور لازمی ہونی چاہیے"۔ اصول ہمیشہ مبانی سے طے پاتے ہیں اور مبانی کے تابع ہوتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ملزومات (لازمی ہونا) ہمیشہ موجودات (ہستی) کا منطقی نتیجہ ہیں۔ اس لحاظ سے مبانی جس قدر حقیقت سے نزدیک تر ہوں گے اصول اور مبادیات اتنا ہی موثر اور قابل اعتماد ہوں گے، چونکہ اصول اور مبادیات ایسے قواعد اور ضوابط ہیں کہ جن کی ہر علمی اور عملی میدان کے ماہرین اور صاحب نظر افراد پابندی کرنا فرض سمجھتے ہیں۔

مبادی:

اردو لغت میں مبادی (کسی موضوع یا علم کے) ابتدائی امور، بنیادی باتیں ہیں(10)۔ علمی اصطلاح میں مبادیات کی تصوری اور تصدیقی مبادی میں تقسیم کی جاتی ہے اور ہر علم کے اہم مفاہیم کی تعریف اور اس سے متعلق اصول متعارفہ اور اصول موضوعہ وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں۔

اصول:

بنیادیں باتیں جن سے ضمنی مسائل یا فروعات پیدا ہوں خصوصاً کس علم یا فن کے کلیات و مسلمات۔ تربیت سے مربوط علمی اصطلاح میں اصول وہ تصورات، نظریات اور عمومی قواعد ہیں جو تربیتی امور کے زیادہ تر موارد میں صادق ہوں اور تربیتی اساتذہ کے تمام امور میں راہنمائی کریں (11)۔ بعض اوقات کسی موضوع یا مضمون میں مبادی اور اصول میں کسی تفریق کے بغیر دونوں کو مترادف صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ اصول جب مبادیات کے ہم پلہ قرار پاتے ہیں تو ان سے مراد بنیادی اصول ہوتے ہیں اور جب یہ لفظ مبادی کے معنی سے ہٹ کر استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد عمومی اصول یا کلیات منظور ہوتے ہیں جو مبادیات اور بنیادی اصولوں کی بنیاد پر بنائے اور مرتب کیئے جاتے ہیں۔ جبکہ خود مبادیات کا تعین مبانی سے کیا جاتا ہے اور یوں مبانی، مبادیات کے مبادیات کا درجہ رکھتے ہیں اور ہر خاص مکتب کے نظریات اور تصورات کا ماحاصل ہوتے ہیں۔

طریق کار:

کام کرنے کا طریقہ، راستہ، طرز یا روش۔ تربیتی طریق کار، طرز عمل یا روش وہ دستور العمل ہیں جو ہمیں اپنے مورد نظر ہدف اور مقصد تک پہنچنے کے لئے یہ بتاتے ہیں کہ کب، کیا اور کیسے کرنا چاہیے۔ در واقع طریق کار، اصولوں کی نسبت جزئی تر قواعد و ضوابط ہیں جو اصولوں پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ تربیتی مبانی، اقدار، ماحول، موجودہ شرائط اور اہداف کے تناظر میں معین، مکمل اور مفصل تر دستور العمل ہیں۔ تربیتی طریق کار نظام تربیت کا وسیع ترین حصّہ ہونے کے ساتھ تربیت کا انتہائی مشکل اور اہم ترین مرحلہ بھی ہے، صحیح اور مؤثر طریق کار اور روش کا انتخاب صرف وہی استاد اور تربیت کرنے والا کر سکتا ہے جو تربیت کے اہداف اور اصولوں سے پوری طرح آگاہ اور ماہر ہو۔

۵۔ مغرب سے مراد:

جس تہذیب کو آج کل ہم مغرب سے نسبت دیتے ہیں وہ اس کا منفی پہلو ہے، لیکن اس بات پر توجہ رکھنی چاہیے جس منفی پہلو کو ہم مغرب کی طرف نسبت دیتے ہیں وہ مغربی تمدن میں پیدا ہونے والے دین مخالف اور خدا مخالف (سیکولر) تاثرات ہیں، البتہ یہ چیز نہ تو مغرب کے جغرافیائی محل و قوع تک محدود ہے اور نہ ہی وہاں کی تمام تاریخ پر حاوی ہے اور نہ ہی وہاں کے تمام افراد سے متعلق ہے۔ یعنی ایسی سیکولر سوچ مغرب کے جغرافیائی حدود سے باہر بھی ہو تو وہ بھی اسی عنوان میں شامل ہو گی۔ دوسری بات یہ کہ ایسی فکر نہ تو تاریخی طور پر اس خطہ میں ہمیشہ رائج رہی ہے اور نہ ہی وہاں رہنے والے ہر شخص کو اس فکر کا ہم نوا کہہ سکتے ہیں۔ آج بھی مغربی سرزمین پر

ایسے لوگ موجود ہیں جو اس فکر اور تہذیب کے خلاف ہیں جیسا کہ گذشتہ زمانوں میں بھی مخالفت کرنے والے موجود رہے ہیں۔ جس فلسفے کی ہم مزمت کرتے ہیں وہ مغربی تہذیب اور ثقافت کا وہ فلسفہ ہے، جس کی جڑیں مادہ پرستی (Materialism) اور انسان پرستی (Humanism) میں گڑھی ہوئی ہیں (12)۔

لہٰذا مغرب سے مراد وہ فلسفہ، تہذیب اور نظریاتی مبانی ہیں جو مادہ پرستی کی بنیاد پر خدا دین اور الوہی اخلاق کی تکذیب پر مبنی ہے، اس لحاظ سے مشرقی اشتمالیت (کیمونزم) اور مغربی لیبرل ازم میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ دونوں کی ہی بنیاد خدا اور دین کے انکار پر رکھی گئی ہے اور ایک ہی ملحدانہ سکّے کے دو رخ ہیں۔ اس تحقیق میں مغرب سے مراد، عصر حاضر کا مسلط ترین مغربی مکتب "لیبرل ڈیموکرسی" اور اس سے منسلک نظریات ہیں جن کا اسلامی مکتب سے تعلیم و تربیت کے ضمن میں تقابلی جائزہ مورد نظر ہے۔

٦۔ تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی وضاحت:

تعلیم و تربیت کا موضوع چونکہ "انسان" ہے، اس لئے تمام نظریاتی مکاتب انسانی تربیت کے ضمن میں انسان کی ماہیت، اس کی خلقت، کائنات میں اس کے مقام، حیات کے آغاز، ہدف اور حیات کے اختتام سے متعلق دوسرے مکاتب کی نسبت مکمل اور بہتر جواب دینے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ انسان جب اپنے اطراف میں نگاہ دوڑاتا ہے تو کئی بنیادی سوالات جنم لیتے ہیں، جیسے ارد گرد نظر آنے والے موجودات، آیا یہ بہت سے وجودات ہیں یا ایک وجود؟ اگر وجودات کی کثرت ہے، تو کیا ان کا آپس میں کوئی رابطہ ہے یا نہیں؟ اگر رابطہ ہے تو کیا یہ ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے تو کیا وہ نقطہ مادی ہے یا غیر مادی؟

ہر مکتب کا تصوّر کائنات (جہان بینی) ان سوالات سے مربوط ہوتا ہے، اور جو علم ان سوالات کے جوابات فراہم کرتا ہے اسے فلسفہ کہتے ہیں۔ تصوّر حیات یا نظام زندگی (ایڈیولوجی) اسی تصوّر کائنات کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اور انسانی عملی زندگی کی اساس مہیا کرتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی بحث، تعلیم و تربیت کے کلیات پر مبنی بنیادی نظریاتی مباحث کی اہم ترین بحث ہے۔ جیسا کہ مبانی کی تعریف میں ذکر ہوا ہے کہ مبانی انسان کی موقعیت اور امکانیات کو اس کی زندگی اور روز مرہ رویّے کے لئے واضح کرتے ہیں۔ لہٰذا تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی تعلیم و تربیت کے موضوع یعنی "انسان" کی خلقت اور ہستی میں مقام، روابط اور خصوصیات کی حقیقی تعریف و تفصیل کی تشریح کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر تربیت کے عمومی اہداف، اصول اور طریق کار جو کہ تربیتی لوازمات کا ایک سلسلہ ہیں وہ بھی ہر مکتب کے فلسفی مبانی سے ہی متاثر اور واضح ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں فلسفی مبانی کے ذیل میں، نہ صرف تعلیم و تربیت بلکہ تمام انسانی علوم کے لیئے، درج ذیل چار پہلوؤں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، لہٰذا اسلامی اور مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کا مندرجہ ذیل انہی چار پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے موازنہ کریں گے۔

۱۔ تعلیم و تربیت کے علمیات (نظریہ علم) سے متعلق (Epistemological) مبانی

۲۔ تعلیم و تربیت کے تصور کائنات سے متعلق (Ontological) مبانی

۳۔ تعلیم و تربیت کے نظام اقدار سے متعلق (Axiological) مبانی

۴۔ تعلیم و تربیت کے تصور انسان سے متعلق (Anthropological) مبانی

انسان سے مربوط کئی دوسرے عوامل نفسیات، معاشرت، شہریت، ثقافت۔۔۔ وغیرہ بھی انسانی علوم کے ذیل میں تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن اوپر ذکر کیئے گئے چار نسبتاً کلی اور بنیادی امور کی بہ نسبت باقی سب جزئی اور فرعی شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنی بحث میں تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی میں انہی چار کلی اور بنیادی امور کے بارے میں مغربی اور اسلامی طرز فکر و نظر کا مختصراً تقابلی جائزہ لیں گے، اور آخر میں نتیجہ پیش کریں گے۔ لہٰذا ذیل میں پہلے تعلیم و تربیت سے متعلق مغربی نکتہ ہائے نظر سے بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی

ہر فکری اور نظری مکتب انسانی ماہیت اور شخصیت، آغاز خلقت، اختتام اور دنیاوی زندگی کے بارے میں اٹھنے والے سوالات کے جواب میں یہی کوشش کرتا ہے کہ دیگر مکاتب سے بہتر اور مکمل تر جواب پیش کرے، جبکہ یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام مکاتب کے جوابات میں سے صرف ایک ہی مکمل طور پر انسانی حقیقت سے متعلق درست ہو سکتا ہے، چونکہ کسی بھی موجود کی معروضی حقیقت ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ مغربی مکاتب فکر کی اکثریت انسان کی پیدائش، ذات اور تعریف اور اس طرح اس کے تعلیم و تربیت سے متعلق تصورات اور نظریات روحانی اور ماوراء طبیعت سے قطع نظر صرف مادیّت پرستانہ تفسیر پر منحصر ہیں۔ اسی لئے مغربی تربیتی فلسفے جو تعلیم و تربیت کے موضوع پر خدا اور دین کے بارے میں اگر کسی بھی قسم کے منفی یا مثبت عقیدے کا اظہار نہ بھی کر رہے ہوں، تو پھر بھی عملاً، عمدی یا غیر عمدی طور پر، دین کا انکار اور سیکولر نظریات کی ترویج کرتے نظر آتے ہیں اور انکے تربیتی اہداف و انسانی کمال صرف اسی مادی دنیا تک محدود ہیں۔

نفی دین کے علاوہ کئی مغربی مکاتب نے انسانی قدر و منزلت کو اسی عالم میں حد سے بڑھا کر پیش کیا تو کسی نے اس کی انتہائی پست حیثیت پیش کی۔ وہ مکاتب جنہوں نے انسان کی افراطی شناخت کروائی، ان میں مکتب اصالت

ہستی (Existentialism) جس کے بانی "کی یر کگارد" (Kegaard Kier) اور "نطشے" (Nietzsche) مانے جاتے ہیں اور عصر حاضر کے انسان پرستانہ نظریات (Humanism) نے انسان کو اس عالم کا محور اور خدا قرار دیا، جبکہ تفریطی مکاتب نے انسانی منزلت کو اپنے مقام سے گھٹایا، تو انہوں نے یا تو انسان کو مشین میں لگے پرزے کی مانند شمار کیا جو نہ کسی ارادے اور نہ ہی اختیار کا حامل ہے یا انسان کی خواہشات، ضروریات اور شوق و رغبت اور احساسات کو دیگر حیوانات کی مانند فرض کیا، جن میں " فرویڈ" کا مکتب نفسی تحلیل (Psycho-Analysis) "جرمی بنثام" کا مکتب افادیّت (Utilitarianism) "اپیکور" کا مکتب لذّتیّت (Epicureanism) وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام مکاتب نے انسانی نظریات، وقت اور سرمایے کو کسی ایک خاص جزئی انسانی پہلو کی طرف متوجہ رکھا اور اس کے برتر اور بلند مرتبہ پہلوؤں سے غفلت برتتے رہے (13)۔

مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کے جائزے میں صرف عصر حاضر کے اہم ترین اور رائج نظریہ انسان پرستی (Humanism) پر توجہ مرکوز رکھیں گے جو تقریبا سولہویں صدی سے بقیہ تمام اخلاقی، ہنری، ادبی، سیاسی، تربیتی اور عقیدتی تصورات پر خدا محوری کی بجائے انسان محوری کے عنوان سے حاوی چلا آرہا ہے اور سیکولرزم کے ساتھ مل کر یہ دو نظریے مغربی لیبرل ڈیموکریٹک سرمایہ دارانہ نظام کے دو پروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس مکتب فکر سے منسلک عصر حاضر کے مفکر "فرانسس فوکویاما" کے بقول: نظریّاتی لحاظ سے مغرب جہاں پہنچ چکا ہے وہاں فکری ارتقاء کے حوالے سے انسانی تاریخ اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے! (14)

۱۔۲) مغربی تعلیم وتربیت کے علمیاتی مبانی:

ہمارے وجود سے ہٹ کر ہمارے ارد گرد بہت سے دوسرے حقائق موجود ہیں جن کی ہم سے اور ہمارے اعمال سے علیحدہ اور مستقل حیثیت ہے۔ ہمارا ان معروضی حقائق کے ساتھ استوار روابط میں سے ایک رابطہ ان حقائق کی پہچان اور ان سے آگاہی کا رابطہ ہے۔ علمیات فکری اور نظری عمل کا ایسا علم ہے، جو موضوع انسانی اور اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کے رابطے کے بارے میں سوچ و بچار کے عمل کی حیثیت کا جائزہ لیتا ہے۔ اس علم میں جن سوالات کے جوابات تلاش کیئے جاتے ہیں، ان سوالات و جوابات کا مجموعہ اس علم کے مسائل کو تشکیل دیتا ہے؛ جیسے: آیا حقیقت موجود ہے؟ کیا حقیقت قابل دسترسی ہے؟ اگر قابل دسترسی فرض کرلیں تو کیا اسکا حصول یقینی اور حتمی ہے؟ اس کے یقینی حصول کی صورت میں، اس کے حصول کے ذرائع کون سے ہیں؟ آیا یہ یقینی پہچان اور آگاہی حقائق کے مطابق ہے؟ مطابقت کا معیار اور صحیح معنی کیا ہے؟ تعلیم و تربیت کے بنیادی ترین ارکان میں معروضی حقائق کی تسلی بخش

آگاہی اور شناخت اہم ترین رکن ہیں۔ اس لئے علم و آگاہی کے حصول کے امکان، وسائل، منابع اور موضوعات کے مجموعے کو تعلیم وتربیت کے علمیاتی یا نظریہ علم (Epistemological) کے مبانی کے عنوان کے تحت مورد مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا معروضی حقائق تک اپنے نفس، انا اور تعصب کے دخل اندازی کے بغیر، واقعی اور معروضی حقائق تک انسان کی رسائی ممکن ہے تاکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے حقائقِ اشیاء کی دریافت اور قوانین قدرت تک رہنمائی اور صداقتوں تک رسائی حاصل کرنے کی راہ بھی ہموار ہوسکے۔

ایپسٹی مالوجی یونانی "ایپیں ٹے مے" بمعنی علم، "لوگس" بمعنی بحث سے مشتق ہے۔ اس مرکب لفظ کا صحیح ترجمہ مبحثِ علم یا علمیات سے موسوم ہے۔ علمیات کی ابتداء ان شکوک اور اوہام سے ہوئی جو ہمارے طریق علم اور علمی نتائج کے معتبر اور صحیح ہونے پر کئے گئے تھے (15)۔ تاریخی طور سے مغرب کی علمی میراث قدیم یونانی فلسفے کی مرہون منت ہے، اور جہاں تک کی تاریخ کے باقاعدہ آثار موجود ہیں (تقریباً ۶۰۰ سال قبل عیسوی) مغربی فکر الوہی عقل سے دوری کی بناء پر ابتداء ہی سے ''آرخہ'' (یعنی کائنات کے مادۃالمواد یا عنصر اولیہ) پر اختلاف کی وجہ سے سوفسطائیوں کی شکیّت (ارتیابیت Scepticism) اور استقرائی و تجربیّت کے بھنور میں غرق معروضی حقائق اور حقیقت کی شناخت سے کوسوں دور دیکھائی دیتی ہے، جس سے آج تک وہ چھٹکارہ نہیں پا سکی۔

عہد وسطیٰ کی آخری صدی میں پورے یورپ میں کافی ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دوسری طرف خدا اور وحیانی عقل سے جدائی نے مغربی فکر و نظر کے سامنے آہستہ آہستہ مشکلات کا ایک ڈھیر لگا دیا۔ اس اکھاڑ پچھاڑ میں جس میں لوگوں کی فکری اور فلسفی بنیادیں ڈھیر ہوئیں اور عقاید اور ایمان کی تبدیلی رونما ہوئی متفکرین اور محققین کے ذہنوں میں اس شبہ نے جنم لیا کہ کیسے اطمینان اور یقین حاصل ہو کہ ہمارے حالیہ عقاید اور تصوّرات بھی غلط نہیں ہیں؟ اور ایک دن وہ بھی باطل ثابت نہ ہوں گے؟ اور کیسے پتا چلے کہ جدید علمی دریافتیں بھی ''بطلیموسی'' نظام کی طرح ایک دن اسی بطلان کا شکار نہیں ہوں گی؟ یہاں تک کہ کئی بڑے مفکرین نے تو علم و دانش کی صحت کا سرے سے انکار کرتے ہوئے واضح لکھا کہ کس طرح یقین پیدا کریں کہ ایک دن ''کیپلر اور کوپرنیکس'' کے نظریات بھی باطل نہ ہوں گے؟

انھوں نے ایک بار پھر قبل از مسیح کے سوفسطائیوں اور شکاکوں کے شبہات کو نئے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے ارتیابیت (Scepticism) کا بھرپور دفاع شروع کر دیا اور ساتھ ہی اسی زمانے میں فرانسس بیکن نے

اسی شکاکانہ ذہنیت کو دور کرنے کے لیئے تجربیت (Empiricism) کی بنیاد رکھی اور انسان میں ہر قسم کے فطری علم کی موجودگی کاانکار کیا۔ یوں سولہویں صدی کے شروع میں مغرب میں شکّیت (ارتیابیّت) اور تجربہ پسندی کے ایک نئے دور کاآغاز ہوا(16)۔

" میں شک کررہاہوں پس میں ہوں Cogito ergo sum "، یہ جملہ تھا معروف فرانسیسی فلاسفر ڈکارٹ کا جس نے اس متزلزل فکری دور میں فلسفی مسائل کے حل کے لئے سر توڑ کوششیں کی، لیکن ڈکارٹ کی فطرت سے متعلق میکینکل فلسفی تفسیر (Mechanical Philosophy) اور فطری آگاہی کے تصوّر، اور ساتھ ہی اس زمانے کے حالات جن کے تحت عمومی طور پر علمی حلقے فلسفیانہ مسائل اور ماوراء طبیعت سے بے توجہ، صرف حسی اور تجربی علوم میں ذوق و شوق کااظہار کر رہے تھے، نے یورپ میں کسی باقاعدہ تسلی بخش فلسفی مکتب کو وجود میں نہ آنے دیا۔ آہستہ آہستہ اس حسی اور تجربی علوم کے شوق نے افراطی شکل (Scientism) اختیار کرلی اور معروضی حقائق سے آگاہی کامعیار مادی وحسی تجربہ قرار پایا۔

فکر و نظر کے اس بنتے بگڑتے دور میں جب سترویں صدی میں کوپرنیکس اور کیپلر کے نظریات نیوٹن کے جدید نظریات نے توڑے تو ماوراء طبیعت اور روحانی اساس سے جدا تجربی علوم میں منہمک مفکرین کے لئے ایک اور زبردست دھچکا تھا۔ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرے میں شکّیت کی تیسری لہر سترویں صدی کے اواخر سے اٹھارویں صدی تک حس اور تجربہ پرست تصوّر کے حامل تین انگریز فلاسفروں بالترتیب جان لاک، بارکلے اور ڈیوڈ ہیوم کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اٹھی۔ ماوراء طبیعت پر شکوک اور شبہات میں رہتی کسر ہیوم کے بعد جرمنی فلاسفر ایمانویل کانٹ نے اپنے عینیّت (Subjectivism) کے نظریے سے پوری کرڈالی۔

کانٹ کے نظریے کے مطابق علم محض اندرونی چیز ہے اور مکمل حقیقت کا کوئی ظاہری معیار نہیں ہے۔ اس کے بقول جو چیز آگاہی کے لیئے ذہن پر عکس باندھتی ہے یاظاہر ہوتی ہے (Phenomenon)، اور جو چیز معروضی طور پر حقیقتاً موجود ہے(Noumenon)، ایک سی نہیں ہیں۔ اشیاء جس طرح موجود ہیں(Objective) اصلاً قابل شناخت نہیں ہیں۔ ساتھ ہی کانٹ نے کسی حدتک پایمال ہوتی اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے میں اہم کردار اداکیامگر دوسری طرف فلسفہ ماوراء طبیعت (Metaphysics) کی بنیادوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

عصر حاضر کے امریکی مصلحت اندیشانہ مکتب (Pragmatism) کے جان ڈیوی جنہیں افلاطون اور "روسو" کے بعد تعلیم و تربیت کے میدان میں اہم ترین فلاسفر شمار کیا جاتا ہے، آگاہی کے بارے میں انکا تصوّر، ڈاوین

کے ارتقائی نظریّے (Evolution Theory) اور نفس شناسی پر مبنی ہے، ساتھ ہی تجرباتی فطرت (Empirical Naturalism) پر اعتقاد کے ناطے خدا، دین اور اخلاق کے منکر ہیں۔

در حقیقت نظریہ علم یا علمیات (Epistemology) اسی مغربی متزلزل ذہنیت اور شکّیت کی بناء پر یورپ میں ہی تشکیل پایا، جہاں مادی عقلیّت (Rationalism) نے بشری زندگی کی راہ و روش کی پہچان کے لئے وحی کی جگہ سنبھالی ہوئی ہے اور علم کی پوجا (Scientism) نے دین کی مخالفت کا پرچم بلند کر رکھا ہے۔ حتی خود عقل کو بھی ۱۷ اور ۱۸ صدی میں جو برتری حاصل تھی، وہ بھی ۱۹ اور ۲۰ ویں صدی کے بعد حس اور تجربہ پرستی (Empiricism) نے لے لی ہے۔ نتیجتاً آج مغرب میں حقیقی علم اور آگاہی کے حصول کا کوئی ایک معیار نہیں۔ کوئی حقیقت کو ہر وہ فکر قرار دیتا ہے جو انسان کے لئے مفید ہو، کسی کے نزدیک حقیقت حس اور تجربے سے ثابت ہونے والی آگاہی ہے، کسی کے نزدیک ہر وہ چیز جو عمومی طور پر ایک عقلمند قبول کرے حقیقت ہے، تو کہیں حقیقت ہر ایک کی فہم کے مطابق ایک اضافی (Relative) امر ہے (17)۔خلاصہ یہ کہ جب معروضی حقائق کی یقینی معرفت کے حصول کے کوئی متفقہ باوثوق مبانی یا ذرائع ہی نہ ہوں تو انسانی تربیتی اصولوں کے وضع کرنے کا کونسا منبع اور طریقہ قابل اطمینان قرار پا سکتا ہے؟

۲۔۲) مغربی تعلیم و تربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی:

مغرب زمین پر نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) اور خاص طور سے جدیدیت (Modernism) کے دور میں کئی فلسفی مکاتب نے جنم لیا اور ہر ایک نے اپنے تصوّر کائنات کی تفسیر سے ملحدانہ تہذیب کے پھیلاؤ میں مؤثر کردار ادا کیا۔ جیسے ڈکارٹ اور اس کے طرف داروں کا عقل پسندانہ مکتب، بیکن، جان لاک، ہیوم وغیرہ کا حس اور تجربہ پرستانہ مکتب، بنتھام اور جان اسوارٹ میل کا خالص افادیت پسند مکتب یا کانٹ کا عینیت پسند مکتب جو عقل پرستی اور تجربہ پسندی کا آمیزہ ہے، ھیگل کا ڈایالیکٹک اور مارکس کا ملحدانہ مادی پرستانہ مکتب، ویلیام جیمز اور جان ڈیوی وغیرہ کا مصلحت پسندی کا مکتب یا کی کیگور کا وجودیت پرستانہ مکتب۔۔۔ان میں سے ہر ایک نے مختلف زمان و مکان میں ظاہر ہو کر دین کی مخالفت اور ملحد تہذیب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

ان مکاتب کے باہمی اختلافات کے باوجود، جیسے ان میں سے بعض کے رہنما مذہبی تھے اور بعض کے مادہ پرست اور بعض موارد میں تو ان کے اختلافات انتہائی بنیادی نوعیت کے بھی تھے، مگر سب کے سب ایک مسئلہ میں متحد اور متفق تھے، اور وہ کلیسا اور دین کی حکمرانی کی مخالفت تھی، چاہے جو اس منحرف عیسائی دین میں

اصلاح کے خواہشمند تھے یا دین کو خرافات اور معاشرے کے لئے نشہ قرار دیتے تھے، سب ہی نے ملحدانہ اور مغربی انسان پرستانہ تہذیب کے پھیلنے کے اسباب مہیا کیے (18)۔
آج یہی انسان پرستی اپنی جدید شکل میں انسان کے خدا کو خود انسان قرار دیتی ہے۔ یہاں تک کے مذہبی امور میں بھی اس طرح انسان پرستانہ تصورات کی تلقین کی جاتی ہے، کہ مرنے کے بعد تدفین کے موقع پر بھی دفن کے مراسم کے لئے ایسا لیٹریچر تیار کیا گیا ہے جس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی خدا کی طرف اشارہ موجود نہیں۔ جدید دور کے انسان پرستوں نے انسان کی ابدی زندگی اور موت کے بعد حیات کے انکار جیسی کوششوں سے انسانی ضمیر کو صرف اسی چند سالہ زندگی تک محدود کرنے اور اسپر راضی رکھنا چاہا ہے اس تناظر میں انسان پرستانہ مکتب میں تعلیم و تربیت کا نظام اس کے اصول، طریقہ کار اور نصاب (Syllabus) ایک خاص شکل اختیار کر جائیں گے۔
تعلیم و تربیت کی حدود اس مادی جہان تک محدود ہو کر رہ جائیں گی، اور انسان کی مادی ضروریات اور رجحانات کی سطح سے آگے نہ بڑھ پائیں گی۔ لہٰذا انسان اس طرح تعلیم حاصل کرے گا اور تربیت پائے گا کہ فقط اپنی ضروریات کی فراہمی اور اپنی ہر خواہش کی تسکین حاصل کر پائے اور یہی مغربی انسانی تعلیم و تربیت کے مراحل میں سب سے اعلی کمال کا مرحلہ ہے۔ مختصر یہ کہ مغربی تربیتی نظام کے ہستی شناسانہ تصورات میں انسان پرستی (Humanism) اور دین سے جدائی (Secularism) یا سیکولرازم دو اہم ترین محور ہیں۔ جنکا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے (19)۔

الف: انسان پرستی (Humanism):

انسان پرست، انسان اور اس میں موجود توانائیوں کی طرف افراطی توجہ کی بناء پر تمام الوہی اور ماوراء طبیعی اقدار کا انکار کرتے ہیں اور اس جہان ہستی کا محور اور معیار انسان کو قرار دیتے ہیں، دراصل انہوں نے انسان کو خدا کی جگہ لا بٹھایا ہے۔ یہ تصورات دراصل عہد وسطی میں بادشاہوں، زمینداروں (فیوڈلز) اور عیسائی پادریوں (علماء) کے ظالمانہ رویوں کے خلاف رد عمل کے طور پر ابھرے تھے۔ پہلے پہل اس تحریک کا آغاز ادبی اور ثقافتی حلقوں میں، عہد وسطی سے پہلے کے یونانی اور قدیم رومی ادب کی تجدید کے ذریعے انسانیت کو زندہ کرنے کے لئے ہوا، بعد کے مراحل میں اس ادبی تحریک نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور پھر اگلے مرحلے میں دین، معنویت، وحی و آخرت اور کلیسا کی مخالفت کا رخ اختیار کر لیا۔
انسان پرستی کے تاریخی اعتبار سے مختلف معنی اور تفسیریں موجود ہیں اس تحریک نے پوری مغربی سرزمین کو متاثر کیا۔ انسان پرستانہ فکر کے درج ذیل اہم اصول ہیں:

۱۔انسان محوری ۲۔انسانی آزادی اور اختیار پر تاکید

۳۔انسانی عقلیت پسندی پر افراطی عقیدہ ۴۔فطرت پرستی (بجائے دین)

۵۔پلورالیزم (کثرتیّت یعنی ہر انسان کا عقیدہ اسی کے لیئے درست ہے)

ب: سیکولرازم:

انگریزی زبان میں Secular بمعنی دنیوی دراصل لفظ Sacred یعنی مقدس (دین سے مربوط) کے مقابل ہے۔ لٰہذا سیکولر، یعنی جو کچھ اس جہان سے متعلق ہے اتنا ہی خدا اور الوہیت سے دور ہے۔ اصطلاحی معنی میں یہ عقیدہ کہ تعلیم و تربیت، اخلاقیات اور سیاست وغیرہ کو مذہب سے جدا ہونا چاہیے (20)۔

مغربی معاشرے کے صاحبان اختیار نے جدید تہذیب اور تمدن کی بنیادوں میں ایک طرف تو دین عیسائیت سے بے توجھی برتی تو دوسری طرف فکری اور نظری نظام کی تشکیل میں سیکولرازم کو اہمیت دی، اور سیکولرازم کی تقویت کا باعث بننے والے اصول اور قواعد بنائے جو دراصل مندرجہ بالا انسان پرستانہ تصورات کے ہی ثمرات ہیں۔ بطور مختصر سیکولرازم کی فکری اساس درج ذیل عناصر پر مشتمل ہے۔

۱۔انسان پرستانہ معیار ۲۔عقلیّت پسندی (Rationalism)

۳۔علم محوری (Scientism) ۴۔آزادی (Liberalism)

۵۔جدیدیّت بمعنی نفی دین (Modernism)

عصر حاضر میں جدید مغربی تہذیب یعنی لیبرل ڈیموکریسی کی تمام تر اساس یہی ہیومنزم اور سیکولرازم ہیں۔ لیبرالیزم ایک زمانے میں ظالمانہ حکمرانی کے خلاف اہم ترین نظریہ خیال کیا جاتا تھا لیکن انیسویں صدی میں لیبرل حکومتوں کے وجود میں آنے کے بعد معاشرے کے طاقتور طبقے کا ضعیف طبقے پر حکمرانی کے لئے ایک ہتھیار اور وسیلے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

مغربی تعلیم و تربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق (ہستی شناسانہ) مبانی انہی بنیادی نظریّات کا ماحاصل ہیں۔ نتیجتا تربیتی امور پر حاکم اصول، اہداف اور طریق کار انہی مبانی کے بل بوتے پر تشکیل پاتے ہیں۔

۳۔۲) مغربی اخلاقیّت سے متعلق مبانی:

نظام اقدار یا اخلاقیّت سے مراد اخلاقی قواعد و ضوابط، معیار اخلاق، نظام اقدار (21)، یعنی انسانی طور طریقے اور اقدار کن بنیادی معیاروں یا مبانی پر تشکیل پائے ہیں۔ اقدار اور اخلاق کے مبانی کی مکمل وضاحت اور تفسیر

کے بعد ہی ایک جامع اور مستحکم بنیادوں پر تربیتی نظام تشکیل پا سکتا ہے جس کا براہ راست تعلق تعلیم و تربیت یا Education سے ہے۔

ایک معقول اخلاقی نظام کے حصول کے لئے ایک ایسا ہدف ضروری ہے جو ذاتاً قدر و قیمت رکھتا ہو۔ اس ہدف کے تعین میں جو اہم ترین مسئلہ ہے وہ انسان، اس کی قابلیت اور اس کے وجودی امکانیات کی پہچان ہے۔ گذشتہ مباحث میں مختلف مغربی مکاتب فکر کے جائزے میں واضحت کی گئی ہے کہ انسانی قدر و منزلت کا معیار اور پیمانہ ہر مکتب اپنے تصوّر کائنات اور تصوّر انسان کے اعتبار سے متعین کرتا ہے، مثلا بعض مکاتب انسان کو جب ایک حیوان کے مساوی دیکھتے ہیں تو بلند ترین انسانی ہدف بھی حیوانات کے ہدف حیات کے مساوی قرار دیتے ہیں، یا جب اس جہان میں مادہ پرستانہ تصورات سے زیادہ معرفت کو ممکن نہیں سمجھتے تو انسانی ہدف بھی ان کا مادیات سے بڑھ کر متعین نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے عصر حاضر کے معروف ترین امریکی ماہر تعلیم اور عملیت پسند فلسفی جان ڈیویی تعلیم و تربیت کا ہدف ایک جمہوری شہری کی تیاری قرار دیتے ہیں۔ جان ڈیویی کے انسان سے متعلق نظریات ڈارون کے ارتقائی نظریے اور میکاولی کے ہدف کی خاطر ہر وسیلے کی مشروعیت کے نظریے سے متاثر ہیں۔ یہی وجہ ہے اپنے آپ کو جمہوری فلسفی کہلاونے والے جان ڈیویی معاشرے کی ہر مشکل کا حل تحقیق اور سوچ بچار کے ذریعے حل کرنے کے معتقد ہیں۔ اور ہر اس چیز کو جو ہدف تک پہنچنے میں مدد کرے اسے اپنی نظر سے قبول کرتے ہیں۔ مثلا خدا کو ایک ماورائے طبیعت الوہی وجود کے قبول نہیں کرتے، لیکن خدا کا معنی آئیڈل (تخلیل پرستی) اور عمل کے درمیان موجود رابطے کو قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا خدا کے لفظ کو انسان کے قابل حصول اہداف اور تخیّلات کی وحدت کے معنی میں قبول کرتے ہیں (22)۔

نتیجتاً اگر کسی مکتب کے، انسان کے بارے میں بلکہ ہستی کے بارے میں فکر و نظر مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر مبنی نہ ہو تو اس کے اخلاقی نظریات بھی کمزور اور بے ثمر ہوں گے۔ اسی لئے مختلف اخلاقی مکاتب میں سے ہر ایک نے انواع واقسام کے اخلاقی اقدار کے نظام میں ہماہنگی پیدا کرنے کے لئے جو ایک مرکزی محور اخلاق پیش کرنے کی کوشش کیں ہیں، اس میں انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ حتی اب تک پیش کئے گئے محوروں میں سے کوئی ایک بھی محور صرف اسی مکتب کی تمام اقدار کو اس محور سے ہماہنگ نہیں کر پایا۔ مثلا فردی یا سماجی خواہشات یا شخصی اور اجتماعی لذّات یا مفادات وغیرہ میں سے کسی ایک کو بھی اخلاقیات کا اصل معیار اور محور مانا جائے، تو ان میں سے کوئی بھی یہ قابلیت نہیں رکھتا کہ تن تنہا ایک ثابت معیار قرار پا سکے۔

اسی لئے ان مکاتب کے مفکرین اور پیروکار اس معیار کے جو مصداق پیش کرتے ہیں ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، اور شرایط کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ان کا اطلاق کسی معروضی حقیقت اور سچائی پر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے مغربی معاشرے میں اخلاق کے معیار بغیر کسی سہارے کے اور ہر علاقے کی شرایط اور افراد کے ارادے کے تابع ہیں، یعنی اخلاق ایک اضافی اور نسبتی مفہوم ہے (23)، جس کا لازمی نتیجہ تربیت کے غیر معین اصولوں پر مرتب ہوگا۔

۴۔۲) مغربی تعلیم وتربیت کے تصوّر انسان سے متعلق مبانی:

مجموعی طور پر انسان شناسی انسانی ماہیت اور ذات کی پہچان، نظام کائنات میں انسان کے مقام، انسان کے وجودی پہلوؤں، قابلیتوں، توانائیوں، رجحانات اور معلومات جیسی مباحث پر مشتمل ہے۔ انسان کے اس عالم میں ممتاز اور عظیم کردار کی بنا پر اس کی شناخت اور پہچان اہم ترین امور میں سے ہے۔ ساتھ ہی علوم انسانی اور خاص طور سے تعلیم و تربیت کا موضوع ہونے کے ناطے انسان شناسی کی اہمیت دو چندان ہو جاتی ہے۔ ہر تربیتی مکتب کے انسان شناسانہ مبانی اس کے تصوّر کائنات (جہان بینی) سے منسلک ہیں۔ اور ہر جہان بینی اور نظری اور فکری نظام کی قدر و قیمت اس جہاں بینی اور فکری نظام کے حیات انسانی پر اثرات اور اس سے تشکیل پانے والی اقدار سے وابستہ ہے۔ اس درمیان انسانی ذات سے متعلق مسائل کا جواب انسان شناسانہ مبانی کے دائرے میں آتا ہے۔

عصر حاضر کی مغربی تہذیب میں تعلیم وتربیت کے انسانی ماہیت اور حقیقت سے متعلق مبانی ان کی تجرّیت اور حسیّت (Empiricism) پر مبنی طریقہ کار پر منحصر ہے۔ انسانی تعلیم وتربیت کے موضوع پر نفسیاتی علوم کی بھرمار ہے جن کا نظری اور فکری انحصار انسان پرست اور مادہ پرست فلسفیوں کی آراء اور نظریات پر ہے، جن کی اکثریت ماورائے طبیعت اور کسی الوہی نظام پر اعتقاد نہیں رکھتی۔ لہٰذا اس مادہ پرستانہ نگاہ میں ایک جہتی انسان کی ماہیت زمینی، زندگی زمینی اور اسکا اختتام اور ہدف بھی زمینی ہے۔ اسی تصوّر کی بدولت مغربی انسان شناسی (انتھروپولوجی) انسان کے جسمانی اور تمدنی حالات کی بحث تک ہی محدود ہے، اور اس کا غیر جسمانی، روحانی اور الوہی پہلو مورد بحث قرار نہیں پاتا۔

عصر حاضر کی مغربی تعلیم وتربیت کے پیچھے عہد وسطیٰ کے بعد کے ڈکارٹ کا مادی جسمانی انسانی تصوّر، جان لاک کی انسانی میکانیکی تفسیر، جرمن بوخند اور ہیگل کی مادہ پرست انسانی تفسیر، کانٹ، شلینگ، شوپنہاور وغیرہ کے رمانوی نظریات، جن کی ابتداء جان ژاک روسونے کی اور بعد میں فرویڈ اور آڈلر کے "ناخود آگاہ ضمیر"، پاولوف اور واٹسن کے انسانی اور حیوانی حرکات وسکنات کا مشترکہ مطالعہ (24)۔۔۔ وغیرہ میں انسان کی ایک مشینی پرزے سے لے کر دیگر حیوانات جیسے برہنہ بندر (Naked ape) تک جیسی ماہیت اور ذات والی مختلف تفسیریں موجود ہیں۔

لیکن انسانی علوم میں ان تمام تر مختلف تفسیروں کے باوجود انسان اور کائنات کے بارے میں ایک اشتراک اور وحدت پائی جاتی ہے، اور وہ ہے انکی انسان پرستانہ (Humanistic) اور مادہ پرست (Materialistic) تفسیر تک محدودیت اور روحانی اور الوہی جہت (میٹافزکس) سے مکمل غفلت۔ اختصار کی وجہ سے جن مکاتب فکر کا فقط اس پورے جائزے میں نام لینے پر اکتفاء کیا ہے قارئین ان مکاتب فکر کے مفکروں اور فلسفیوں کے انسان کے بارے میں نظریات کا مطالعہ کریں، حتی ان مکاتب کا بھی جو دینی رنگ لئے ہوئے ہیں، ذرا دیکھیں کہ ان کے انسان کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں کیا تصورات ہیں (25)۔

اسلامی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی

مکتب اسلام کے بارے میں اگر کہا جائے کہ تعلیم و تربیت اس کے اساسی ترین امور میں سر فہرست ہے، تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ قرآن کریم میں تزکیے اور تعلیم کو انبیاء کی بعثت میں شامل امور میں سے سر فہرست قرار دیا گیا ہے۔ اور تین مقامات پر (26) اس طرح فرمایا:

هوَالَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّیِّینَ رَسُولًا مِنْهُمْ یَتْلُوعَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ۔

یعنی: "بعثت انبیاء لوگوں کے تزکیے (روحانی تربیت) اور تعلیم و حکمت کے لئے ہے۔"

یعنی جب انسان اپنا تزکیہ شروع کرے گا تو اسے حقیقی علم اور حکمت حاصل ہو گی، جو سراسر نور اور ہدایت ہے۔ تمام تر انسانیت کے لیئے یہی انبیاء کی بعثت کا ہدف ہے کہ انسانیت اپنے معبود کا قرب (تزکیے اور تربیت سے) اختیار کرے اور یہ قرب صرف واجبات عبادی کے ذریعے ہی نہیں، بلکہ انسانیت کی ہر خدمت کے ہمراہ حاصل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا تعلیم دراصل تربیت (تزکیہ) ہے، اور ایک تزکیے کا حامل، تربیت حاصل کیا ہوا انسان ہی معاشرے کی بہترین خدمت کر سکتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے ضمن میں اسلامی مکتب اتنا عمیق اور حکمت آمیز ہے کہ اسکے اپنے مخصوص الفاظ، موضوعات اور اصطلاحیں ہیں۔ ان کا اسلامی تہذیب اور تعلیمات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ اگر انہیں اسی اسلامی تعلیمات اور ثقافت کے دائرے اور تناظر میں نہ سمجھا جائے تو انکا مترادف دنیا کی کسی دوسری زبان میں ملنا ناممکن ہے۔ حتی جو الفاظ جن پیرائے میں اسلام نے عربی زبان کے انتخاب کرکے استعمال کئے ہیں ان کے معانی اور مفاہیم اسلامی تعلیمات میں جذب ہونے کے بعد عرب جاہلانہ دور کے استعمال سے بھی مختلف ہو گئے ہیں۔

اسی قسم کے وسیع مفاہیم لفظ عقل، جہل، تذکیہ، حکمت،...وغیرہ اور ہر اس لفظ کے بارے میں جو اسلام میں اپنی تعلیمات اور مفاہیم کے لئے انتخاب ہوئے ہیں، بھی ملتے ہیں ۔ لہٰذا اسلامی تعلیمات میں تعلیم و تربیت

جیسی اہم ترین بحث کے بیان کے لئے جو مخصوص الفاظ قرآن اور روایات میں استعمال ہوئے ہیں ان کا تفصیلی اور گہرا مطالعہ کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اسلامی نظام تربیت کی تلاش اور جستجو میں ہر قسم کی لغزشوں سے امان میں رہیں (27)۔

اس مختصر تشریح سے سمجھ سکتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی تعلیم و تربیت کے مبانی بیان کرنا کوئی آسان کام نہیں، جو انسانی روحی اور نفسیاتی رازوں، انسانی ماہیت، انسانی جذبات، رجحانات اور احساسات؛ عورت اور مرد کی ذات اور شخصیت کے ایک دوسرے سے فرق، ان کی فطری ضروریات اور مشکلات سے آشنائی، ان کے نشو و نما کے مختلف مراحل اور ہر مرحلے میں تاثیر حاصل کرنے کی استعداد، انسانی وجود میں پرستش اور ماوراء طبیعت ادراک کا نظام واضح کریں۔ یہاں تعلیم و تربیت سے متعلق فلسفی مبانی کا اسلامی نکتہ نگاہ سے جائزہ پیش کریں گے۔

ا۔۳) اسلامی تعلیم وتربیت کے علمیاتی مبانی:

اسلامی فلسفے میں عقل کے پائیدار اور غیر متزلزل مقام کی بناء پر علم اور آگاہی سے مربوط مسائل کسی منظّم صورت میں علیحدہ عنوان کے تحت بیان نہیں کئے گئے، بلکہ آگاہی سے متعلق بعض مسائل فلسفے اور منطق کی کتابوں میں ہی مختلف ابواب میں ضرورت کے لحاظ سے زیر بحث لائے گئے ہیں۔

لیکن آج کل جبکہ مغربی ثقافت اور خاص طور پر وہاں علم سے مربوط مباحث ہمارے معاشروں میں پوری طرح سرایت کر چکی ہیں اور الوہی فلسفے کے بہت سارے مسلمات پر انہوں نے اعتراضات کی بوچھاڑ اور انکار تک کر رکھا ہے، تو ہمیں بھی اپنی فلسفی مباحث کو انہی کی زبان میں جواب کے لئے روایتی طرز فکر سے ہٹ کر نئے پیرائے میں بیان کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ ایک تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ دوسرے مکاتب سے میل جول سے خود ہم اپنی گراں بہا اسلامی تعلیمات کو مختلف پہلوؤں سے مقابلے اور اعتراضات کے مدلل اور ٹھوس جوابات کے لئے پیش کر سکیں گے جو علمی رشد اور ترقی کا باعث ہے، اور دوسرا اہم اپنے اس روشن فکر طبقے کے لئے جو مغربی افکار اور تصورات کے زیر سایہ نئے نئے اعتراضات اور نظریوں سے آشنا ہوئے ہیں، اسلامی تعلیمات اور خاص طور سے اسلامی فلسفے کو ان نئی جہتوں سے روشناس کروا کر انہیں اسلامی تعلیمات سے بدظن اور دور ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

علمیات یا نظریہ علم (Epistemology)، جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا، یہ موضوع انسان سے متعلق اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کے رشتے کے بارے میں آگاہی یا پہچان کے بارے میں علم ہے۔ اس علم میں انسانی آگاہی (معرفت) اس کی قدر و قیمت اور درستی یا نادرستی کے معیار تعین کرنے سے متعلق مباحث شامل ہیں (28)۔

انسان کو اس جہان عالم کے معروضی حقائق کشف کرنے کے لئے یقینی علم اور آگاہی کی ضرورت ہے، جو نہ صرف اس کے عقل و شعور میں اضافے کا باعث بنتا ہے بلکہ اس کے لئے حقیقت بھی مکمل طور پر عیاں ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات قرآن اور حدیث کی روشنی میں اور اسی طرح بیدار انسانی فطرت اس اہم نکتے کی طرف راہنمائی کرتے نظر آتے ہیں کہ انسان کو معروضی حقائق کے بارے میں علم اور آگاہی کے لئے صرف حسی، سطحی اور ظاہری معلومات پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے جس کا اکثر و بیشتر نتیجہ لاادری گری اور شکّیت (ارتیابیت) کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ بلکہ حس، تجربے، عقل و معقولات، تاریخ، روایات، سنت، وحی اور قرآن کے ظاہر اور باطنی تمام وسائل کو اپنی آگاہی کے لئے استعمال کرنا چاہیے، کیونکہ یہ تمام منابع انسانی فکر و نظر کی تعمیر اور ہدایت کے لئے موثر ہیں۔
البتہ ان تمام وسائل میں کوئی بھی وحی اور نبوت کے ذریعے حاصل ہونے والے علم اور آگاہی جیسے یقین اور اعتماد کی منزل تک نہیں پہنچتا۔ ان تمام علمیاتی وسائل میں سے فقط وحی ہے جو ہر قسم کی خطا اور لغزش سے مبراء ہے (29)۔ وحی اور اس کے ساتھ عقل، اسلامی علمیات سے متعلق مبانی کے اہم ترین اور مخصوص ارکان ہیں۔ اس کی دلیل قرآن میں عقل اور فکر پر کی گئی تاکید ہے، جو مغرب کے "دین اور عقل" یا "وحی اور عقل" کے تعارض اور اختلاف کے تصوّر کے برعکس ہے۔ کیونکہ مغربی دین منحرف عیسائیت ہے، جس کے انحراف سے عہد وسطیٰ کے تقریبا ۱۰۰۰ سال انسانیت سوز مظالم اور عقل کی شدید مخالفت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس منحرف دین کا جو عقل کا مخالف ہے اور دین اسلام جو عقل اور فکر و نظر کی تاکید کرتا ہے، کا آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا اسلام عقل کی پرورش اور نشو و نما کے لیئے اور اسے انحراف اور خطا سے محفوظ رکھنے کے لئے وحی کے ذریعے اس کی رہنمائی کرتا ہے۔
اس بحث سے واضح ہے کہ دین مبین اسلام میں معروضی حقائق اور حقیقت سے مربوط علم کا امکان ایک یقینی امر ہے۔ اس کا تعلیم و تربیت پر انتہائی مثبت اور مفید اثر مرتب ہوتا ہے، کیونکہ جتنا انسانی شعور اور آگاہی مکمل ہو گی اتنا ہی اس کی حقیقت تک رسائی کا امکان زیادہ ہو گا اور جس قدر وہ حقیقت سے نزدیک ہو گا اس کا خداوند سے معنوی اور روحی رابطہ بڑھے گا اور اس کے نتیجے میں حقیقی تربیت کے لئے بہترین اور زیادہ مساعد مواقع فراہم ہوں گے (30)۔ اسلامی علمیات کے مندرجہ ذیل اہم پہلو ہیں؛

الف: حقیقی دین کی پہچان اور اس راہ میں تربیت:

جب یقینی علم ممکن ہو، تو اس کے نتیجے میں ایک حقیقی دین کی پہچان بھی ممکن ہے اور اس دین کی حقانیت پر ایمان بھی لایا جاسکتا ہے۔ پس اسلامی تعلیم و تربیت کے نصاب اور نظام کی تشکیل ایک دین کی بنیاد پر ہے جو حق

ہے اور دیگر تمام ادیان سے برتر اور خاتم ادیان اور مکمل ترین دین ہے اور ہر قسم کی ارتیابیت، اخلاقی اضافیّت (Ethical Relativism) اور دینی کثرتیّت (Religious Pluralism) کی نفی کرتا ہے۔

ب: تعلیم وتربیت میں وحی کا کردار:

جیساکہ مقدمے میں بیان ہوا خداوند تعالی نے اپنے منتخب پیغمبروں کی تربیت کا ذمہ خود اٹھایا اور انہیں وحی اور نبوت کی بھاری ذمہ داری اٹھانے کی توفیق اور صلاحیت عطافرمائی تاکہ خداوند کے بتائے دستورالعمل کے ذریعے اس کے اولیاء اور بندوں کی تربیت کر سکیں اور یہی سلسلہ آگے چلتا رہے۔اس لحاظ سے اسلامی تعلیم وتربیت کے علمیاتی اصول اور مبانی مختلف جہتوں سے وحی اور نبوت پر منحصر ہیں اور پیغمبروں کی تعلیمات نہ صرف تعلیم و تربیت کے نظام اور (نصاب) کو الوہی اور دینی بناتی ہیں بلکہ تعلیم وتربیت کے حصول کے جذبے، جہت اور ماہیت کو بھی خدائی رنگ عطا کرتی ہیں اور تربیت یافتہ انسان کے لئے دنیا اور آخرت کی سعادت کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔

۲۔۳) اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی:

خدا شناسی اور خدا اور قیامت پر یقین اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر کائنات سے متعلق مبانی میں بنیادی ترین اور ناقابل تردید محور ہے۔ 'اُس' سے اور 'اسی' کی طرف؛ انا للہ وانا الیہ راجعون؛ اس ساری بحث کا خلاصہ ہے۔ لہٰذا تعلیم وتربیت کے تمام قاعدے، قوانین اور معیار اس کے تشریعی ارادے کے تحت انسان کے لئے تربیت و تزکیے کے ساتھ اس کی طرف پلٹنے کے لئے ہیں۔

اسلامی تصورات کائنات کا تقاضہ ہے کہ تمام ہستی کو خداتعالی کی مخلوق اور حقیقی و تکوینی مالکیت مانیں۔اسلامی نکتہ نظر سے اعتقادی نظام، تربیّتی اور اخلاقی نظام سے جدا نہیں ہے۔ بلکہ اعتقادی نظام، تربیتی اور اخلاقی نظام کا مبداء اور منشاء ہے۔ لہٰذا خداوند متعال جو تمام کائنات اور عالم ہستی کے حقیقی مالک اور تکوینی اور تشریعی رب ہیں، کی اجازت کے بغیر ہم کسی بھی قسم کی شیء یعنی اپنے اور دوسرے انسانوں سمیت، کسی پر کسی بھی قسم کا تصرف اور دست اندازی نہیں کر سکتے۔اس بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل چار اہم امور ہیں۔(31)

۱۔حیات بخش خالق واحدِ کائنات　　　　۲۔انسان کا وابستہ وجود

۳۔تمام امور میں خدا محوری　　　　۴۔قیامت پر اعتقاد

پس بطور خلاصہ اسلامی تعلیم وتربیت کے تصور کائنات سے متعلق مبانی اس نظام کو ایک طرف تو مبداء سے مربوط کرتے ہیں، یعنی ربّ و خالق واحد سے، اور دوسری طرف چونکہ خداوند تعالی نے اس جہان اور انسانوں

کو ایک خاص مقصد کے تحت خلق کیا ہے تو معاد سے جوڑتے ہیں۔ چونکہ انسانی حیات کی آخری منزل اور تمام افعال کہ حد قیامت ہی ہے تو اس کے نتیجے میں اس نظام حیات کا ''الوہی حکمت'' سے ناطہ جوڑتے ہیں۔ الوہی حکمت کا تقاضہ یہی ہے کہ ایک مکمل نظام برقرار ہو اور انسان اس طرح تربیت ہوں اور ایسی سمت اختیار کریں کہ بہترین انفرادی اور اجتماعی کمالات متحقق ہوں۔

یوں اسلامی تربیتی نظام، اسلامی تصور کائنات کے ساتھ خاص طور سے اس کے نظام زندگی سے اس طرح جڑا ہوا ہے کہ خداوند تعالی کا حقیقی وجود تمام زندگی کے ہر ہر پہلو میں اور خاص طور سے تعلیم و تربیت میں نمایاں طور سے ہدایت، تربیت، راستہ متعین کرنے اور اس کو رخ دینے میں نظر آتا ہے۔

۳۔۳) اسلامی تعلیم و تربیت کے نظام اقدار سے متعلق مبانی:

تعلیم و تربیت ان امور میں سے ہے جن کا براہ راست تعلق انسان سے ہے اس ناطے تعلیم و تربیت کے مبانی میں سے ایک، حقیقی الہی اقدار (اخلاق) کی پہچان ہے جس کا تربیتی اصولوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ایک صحیح اخلاقی نظام کی تشریح اور علم اخلاق کے مبانی کا جائزہ اور تشریح فلسفہ اخلاق میں بیان کی جاتی ہے اور تربیتی قواعد اور اصولوں اور اہداف متعین کرنے میں اس کا انتہائی اہم کردار ہے (32)۔ اسلامی نظام اقدار گو کہ انسان شناسی کی مباحث سے جدا نہیں (33) ہے اور اسلامی تعلیم و تربیت کے انسان شناسانہ مبانی نظام اقدار کی بحث سے کسی طرح مبرا نہیں، لیکن چونکہ مغرب زمین کے اہم فلسفی مکاتب اخلاقی اضافیّت (Moral Relativism) کا پرچار کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے اخلاقیات کی بحث کو انسان شناسانہ مبانی سے جدا بیان کیا جا رہا ہے۔ بطور مختصر یہاں دو اہم موارد قابل بحث ہیں:

الف: اقدار کا حقیقی اور غیر حقیقی ہونے کا معیار **ب:** اضافیت اخلاق

الف) اقدار کا حقیقی اور غیر حقیقی ہونے کا معیار (34)

فلسفہ اخلاق کی اہم ترین مباحث میں ایک یہ ہے کہ اخلاقی جملوں کی حقیقت ان کا اخباری جملے (Declarative) ہونا ہے یا انشائی جملے (Imperative) ہونا؟

یعنی مراد یہ ہے کہ، کیا اخلاقی جملے معروضی حقائق کی بنا پر بیان کیے جاتے ہیں، حتی اگر وہ انشائی جملوں کی صورت میں بھی ہوں؟ یا اخلاقی جملوں کی حیثیت صرف انشائی ہے اور ان جملوں کو بولنے والے کے مطمع

نظر کوئی معروضی حقائق نہیں ہوتے حتی اگر ان جملوں کو خبری انداز میں بیان کریں؟ بلکہ ان کا منشا بولنے والے کے رجحانات اور خواہشات کے سوا کچھ نہیں۔

مثلاً جب کوئی کہتا ہے کہ ''جھوٹ نہ بولیں''، یا ''جھوٹ نہیں بولنا چاہیے''، تو کیا اس جملے یا قول کے پیچھے کوئی حقیقت پوشیدہ ہے؟ یا بولنے والے نے انفرادی، ذاتی، سماجی یا دیگر مفادات کے مد نظر یہ جملے کہے ہیں؟

یہاں اس بحث کے دو طرح جواب دیئے جا سکتے ہیں۔ ایک تو مربوط ہو جائے گا انسان شناسی سے، یعنی انسان کو اگر صرف ایک مادی موجود خیال کیا جائے اور اس کی کسی بھی قسم کی دوسرے جہتوں اور رابطوں کی نفی کی جائے، تو اس ایک جہتی انسان کے لئے ان جملوں کے پیچھے کسی بھی قسم کے معروضی حقائق اور بیرونی حقیقت کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس انسان کو اگر دو جہتی موجود، مادی جسم اور مجرد روح کی حیثیت سے تصوّر کیا جائے تو ان جملوں کی معروضی حقیقت اس کی روح سے منسلک نظر آئے گی۔

مغربی شکّاکانہ افکار اور تصورات میں انسان ایک مادی جسم کے سوا کسی دیگر وجود کا حامل نہیں مانا جاتا، تو اس صورت میں اخلاقیات کا عدمیّت (Nihilism) کے علاوہ اور کوئی نظام تشکیل نہیں پا سکتا۔

دوسرا جواب انسانی پہلوؤں کے بجائے، اس کے اہداف سے مربوط ہے، کیونکہ اخلاقی مسائل انسان کی اختیاری حرکات و سکنات سے مربوط ہیں، اس لیئے جب وہ کسی عمل کو اختیار کرتا ہے تو لازمی طور سے اس اختیار اور ارادہ کے پیچھے کوئی ہدف موجود ہوتا ہے جو اسے اس عمل کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ لہٰذا اس کی حرکات و سکنات، افعال و کردار کی قدر بھی اس ہدف کے تحت متعین ہوتی ہے، ہدف جتنا بلند اور اعلیٰ ہو گا اتنا ہی اس تک پہنچنے کا وسیلہ جو انسانی کردار ہے، باارزش اور قابل قدر ہو گا۔

ہدف کا تعین اور انتخاب ہمارے اس مسئلے کا حل ہے۔ آیا وہ ہدف جس کے حصول کے لئے انسان کوشش کرتا ہے صرف اپنی طبیعت، دنیوی اور حیوانی خواہشات کی تکمیل ہے؟ یا سماجی مفادات اور مصلحتوں کے تابع ہے، اور معاشرے میں بد نظمی سے پرہیز کے لئے ہیں؟ یا دنیوی مفادات کے ہمراہ معنوی اور روحی کمال اور ابدی خوش بختی اس کا ہدف ہے؟

مادہ پرست انسان کی مادی عقل ہر قسم کے نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے تعین کے لیئے پہلے دو سوالوں کے جواب تہیہ کرنے کی تگ و دو میں مشغول عارضی قرار دادیں منعقد کرتی نظر آتی ہے۔ جبکہ مبداء و معاد (خدا و قیامت) سے جڑے، مادے کے علاوہ روحانی انسان کی وحی کے زیر سایہ قدسی عقل نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے تعین کے لیئے آخری سوال کے جواب کو تلاش کرتی نظر آئے گی۔ یوں دنیوی اور حیوانی خواہشات یا

سماجی مفادات سے ہٹ کر معنوی اور روحی کمال اور ابدی حیات کے حصول کے معیار اس کے اقدار اور اخلاق کے نظام کو متعین کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اسلامی نظام اقدار اور اخلاقی اصولوں کے معیار اور بنیادیں قابل استدلال عقلی برہان ہیں۔ البتہ اس ضمن میں مکمل بحث کا فلسفہ اخلاق میں تفصیل سے جائزہ لیا جاسکتا ہے جو یہاں ممکن نہیں۔

ب) اضافیّتِ اخلاق:

اخلاقی اضافیت بھی فلسفہ اخلاق کی اہم ترین بحثوں میں سے ہے۔ جس کے کئی اہم فکری اور عملی نتائج سامنے آتے ہیں۔ اخلاقی جملوں کو انشائی قرار دینے اور انہیں انسانی خواہشات اور رجحانات سے اور سماجی قرار دادوں (Social Contracts) سے منسوب کرنے کے نتیجے میں نظام اقدار میں اضافیّت کا نظریہ وجود میں آیا ہے۔ البتہ اس کا بڑا واضح جواب موجود ہے جو اسلامی مکتب فکر کے فلسفیوں نے انتہائی مدلل انداز میں فلسفہ اخلاق کے تحت پیش کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ مسئلہ اخلاق کی نسبت دو طرح کی فکر اور نظر موجود ہے(35)۔

الف: اخلاق انسان کی ایک ذاتی حقیقت اور ضرورت کی حیثیت سے۔

ب: اخلاق انسان کی ذات سے ہٹ کر ایک بیرونی حقیقت۔

جو کوئی اخلاق کو انسان کے لئے ایک ذاتی حقیقت کی حیثیت سے تصور کرتا ہے، تو وہ انسانی ذات پر حاکم قواعد کے تناظر میں اخلاقی نظام کی شناسائی اور اخلاقی مسائل، اصول اور معیار کو بغیر زمان اور مکان اور دیگر شرایط کی تاثیر کے بیان کرے گا۔ پھر انسانی صفات اور کردار کو اخلاقی لحاظ سے اچھے اور برے اعمال میں تقسیم کرے گا۔

جبکہ جو کوئی اخلاق کو انسانی ذات سے ہٹ کر مد نظر قرار دیتا ہے، تو وہ اخلاقی نظام کو اپنے اندر موجود قابلیت، رجحانات، خواہشات، سماجی مسائل، ثقافت، رسم و رواج اور مکان اور زمان میں حاکم شرایط کے ساتھ اپنائے گا اور ایسے نظام میں مادی قدروں کے سواء کوئی قدر اور تجربی بنیادوں کے سواء کوئی بنیاد باقی نہیں رہتی۔ اکثر مغربی مکاتب فکر کے مبانی اور نظری بنیادیں اسی لئے متزلزل اور متغیر ہیں، سیکولرزم اور پلورلزم (کثرتیّت) انہیں تجربی اور مادہ پرست فکری تصوّرات کا ماحاصل ہیں، اور ان کا نتیجہ عدمیت (Nihilism) اور اخلاقی انحطاط ہے، جس کا آج کل مغرب کو شدت سے سامنا کرنا ہے۔ اس اخلاق میں خیر و شر کا کوئی مستقل معیار نہیں کردار کے حسن و قبح کے لئے کوئی اصول نہیں، ہر چیز اضافی اور عارضی ہے، جبکہ دین اسلام اخلاقی کثرتیت (Ethical Pluralism) کو شدت سے جھٹلاتا ہے۔ آل عمران آیہ ۸۵ میں خداوند متعال فرما رہا ہے: ''وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ'' یعنی: ''اور جو

اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارے میں ہو گا۔"

بے شک ایک صحیح اور قابل قبول اخلاقی نظام کے ہی زیر سایہ ایک تعلیمی اور تربیتی نظام کو مرتب کیا جا سکتا ہے، تا کہ جو بھی اس اخلاقی نظام کی ضروریات ہوں وہ تعلیم و تربیت میں شامل کرکے انسان کو اس کی انسانیت کے کمال تک پہنچنے کے لئے رہنمائی فراہم کی جاسکے۔

۴۔۳)اسلامی تعلیم وتربیت کے تصوّر انسان سے متعلق مبانی:

دنیامیں موجود ہر تربیتی مکتب انسان کی خلقت کے ہدف اوراس کے اعلی ترین کمال کے بارے میں اپنی ایک مخصوص فکراور نظر رکھتا ہے، اور اسے انسانی تعلیم وتربیت میں ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے تربیتی نظام کو تشکیل دیتا ہے۔ تعلیم وتربیت کا موضوع چونکہ انسان ہے، اس لیئے انسان شناسی تعلیم وتربیت کے اہم ترین مبانی کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی تربیتی مکتب میں انسان کی تربیت ایک انتہائی مقدس اور الوہی امر ہے۔ انسان مختلف طریقوں اور راستوں سے تربیت پا کر خداوند متعال کی حقیقی جانشینی کا اہل قرار پاتا ہے۔ وہ مقام جس سے بڑھ کر مقدس مقام انسان کے لئے کسی اور مکتب میں قابل تصور نہیں، اس سلسلے میں انسانی قدر و قیمت، انسانی فطرت اور انسانی خواہشات اور شعور کے مرتبوں کے بارے میں مسائل، اسلامی تعلیم و تربیت کے انسان شناسانہ مبانی میں زیر بحث آتے ہیں۔ اس تناظر میں یہاں انسان کی اسلامی نکتہ نگاہ سے حقیقت، ماہیت اور اس کی قابلیتوں اور خصوصیات کو صرف عنوان کے حد تک بطور مختصر بیان کریں گے (36)۔

الف: اسلام کی نظر میں انسان کی حقیقت:

انسان صرف ایک مادی جسم نہیں، بلکہ طبعیت اور ماورائِ طبعیت کا مرکب ہے۔ کیونکہ انسانی فطرت میں جمادات، نباتات اور حیوانات میں موجود عناصر سے بڑھ کر ایک عنصر موجود ہے، جو اس کی دیگر موجودات پر برتری اور قابلیت کا غماز ہے۔ جس کی بنا پر وہ اس کائنات کی تمام مخلوقات کو مسخر کرنے پر قادر ہے اور یہ برتر عنصر بدن کے مٹ جانے کے بعد بھی باقی اور ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ انسانی وجود میں موجود، مادے سے برتر اسی عنصر کا ظہور اور نشو و نما ہی اس بات کا باعث بنتا ہے کہ انسان کا مقام اور مرتبہ دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں نمایاں اور برتر جلوہ گر ہو۔

ب: انسانی ذات اور ماہیت:

اسلامی مکتب فکر میں انسانی فضیلت اور برتری صرف اس کی جسمانی اور زندگی گزارنے کے ڈھنگ یا اس کی بدنی اور ذہنی قوت تک منحصر نہیں، بلکہ ان سب کے ساتھ انسانی ذات اور ماہیت ایک مجرد وجود پر قائم ہے، جسے مختلف جہتوں سے روح، نفس، قلب اور نفخۂ الوہی کہا جاتا ہے اور یہی وہ انسانی جہت ہے جس کا تعلق ماوراء طبیعت اور قیامت (معاد) کی بحث سے جڑا ہوا ہے (37)۔

لہٰذا انسان کی انسانیت اس کی مجرد روح کی بناء پر ہے اور انسان کی ذات اور ماہیت اسی روح کے ناطے ہے چونکہ انسان کا دوسری مخلوقات سے فرق ڈالنے والا عنصر یہی روح ہے نہ کہ مادی بدن اور یہی لافانی انسانی روح اسلامی تربیّتی علوم کا موضوع ہے۔ جبکہ بدنی و جسمانی تربیت وسیلے اور مقدمے کے طور پر مورد نظر ہے (38)۔ جبکہ معاصر مغربی نظام فکر انسان شناسی کو فقط انتھروپولوجی (Anthropology) تک محدود کرکے انسان کو ایک حیوانی حیثیت سے زیر بحث لاتے ہیں، اور فقط اسکے جسمانی اور تمدنی حالات سے متعلق بحث کرتے نظر آتے ہیں۔

اسلامی نکتہ نگاہ سے، انسان میں موجود خصوصیات اور قابلیتوں کے ذکر پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اگر خلاصہ بیان کریں تو تعلیم و تربیت، انسان کی بالقوہ قابلیتوں کو اس کے انفرادی اور اجتماعی کمال کی راہ میں فعلیت تک پہنچانے کا نام ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے ایک تربیتی نظام میں انسان کی قابلیتوں اور خصوصیات کی شناسائی اہمیت کی حامل ہے۔ جو بطور کلی اسلامی تصوّر انسان میں درج ذیل ہیں (39)۔

۱) علم اور آگاہی حاصل کرنے کی قابلیت۔

۲) انسانی روح میں موجود مختلف رجحانات اور میلانات۔

۳) انسانی اختیار اور آزادی اور انتخاب کی صلاحیت۔

۴) انسانی توانائی اور ارادہ۔

۵) انسانی شخصیت میں تبدیلی اور اس پر موثر عوامل۔

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل یہاں ممکن نہیں۔ تصوّر انسانی کی اسی تفصیل کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے ذریعے انسانی کمال کے اعلیٰ ترین مقام کا تعین اور اس کے حصول اور اس راستے میں آنے والی روکاوٹیں جو خود انسان کی ذات میں موجود ہیں اور جو ماحول اور حالات کی وجہ سے پیش آتی ہیں، ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مناسب تعلیم و تربیت کے نظام کے عمومی اصول اور پھر قواعد اور طریق کار متعین کیا جاسکتا ہے۔

نتیجہ یہ کہ جن چار اہم ترین مبانی پر اسلامی اور مغربی تعلیم و تربیت کے نظام کا موازانہ کیا گیا ہے یہ اساسی ترین اور بنیادی ترین امور میں سے ہیں۔ان کے علاوہ جغرافیائی حالات اور شرایط،علاقائی رسم وراوج،سماج، ثقافت، نفسیات، تہذیب و تمدن اور مخصوص ماحولیاتی مشکلات اور شرایط کو بھی مد نظر رکھنا اصول اور مبادی متعین کرنے میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔

دو تربیتی مکاتب کے مبانی کا تقابلی جائزہ:

اسلامی اور مغربی تربیتی مکاتب کے مبانی کے تجزیاتی مطالعے کو یہاں بطور مختصر موازنے کی صورت میں ایک جدول میں پیش کیا جارہا ہے۔

تعلیم و تربیت کے مبانی	مکتب اسلام	مکتب غرب
تصور علمیات Epistemology	عقل، حس، وحی، شہود وغیرہ پر مبتنی	اثباتیّت اور ارتیابیّت پر منحصر
تصور کائنات Ontology	خدا محور (مبداء سے معاد)	انسان محور (Humanism)
نظام اقدار Axiology	ذات انسان اور حقیقت پر مبنی	اضافی و عارضی
تصور انسان Anthropology	خدا سے خدا تک (مادی و روحی)	مادی فقط (ماوراء طبیعت سے جدا)

ان دونوں مکاتب میں کسی قسم کی ہماہنگی نہیں پائی جاتی، لہٰذا جو انسانی علوم جس مکتب میں تشکیل پائیں گے اس کی مناسبت سے اسی مکتب کی بنیادوں پر قائم ہوں گے۔اس لئے اسلامی معاشروں میں ہمیں اپنی نسلوں کی صحیح تربیت کے لئے انسانی علوم کو خالص اسلامی فکر اور بنیادوں پر احیاء کرنے اور ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ مغرب کے اس تصور حیات کا فکری اور نظری نتیجہ دیکھیں، تو ایک وقت ایسا تھا کہ مغربی مفکرین کسی بھی چیز کو بغیر اپنے تجربے کی کسوٹی پر لائے ماننے کے لئے تیار نہ تھے اور افراطی اثباتیّت (Positivism) کے قائل تھے، لیکن آج ان کی فلسفہ علم کے تحت تحریروں پر نگاہ دوڑائیں تو اس کے قائل نظر آئیں گے کہ انسان کسی چیز کے بارے میں سرے سے جان ہی نہیں سکتا!

جبکہ ان کے ملحدانہ تصوّر ہستی اور تصور حیات کا عملی نتیجہ تاریخ کے میوزیم کی نظر ہوئے کیمونزم،اور لیبرل ڈیمو کریسی کی اہم ترین علامت ''وال سٹریٹ'' کے گرد ظلم کی چکی میں پسے ۹۹ فیصد افراد کا احتجاج اور ان پر آزادی بیان کے حامیوں کے بہیمانہ سلوک کی صورت میں سب پر عیاں ہے۔ لیبرل ڈیمو کریسی ، جس کے بارے میں اس نظریہ کے حامی اسے انسانی فکر کے ارتقاء کا آخری مرحلہ قرار دیتے ہیں، ایک متناقض

(Paradoxical)اصطلاح ہے، چونکہ لیبرلزم کے پیچھے فردیّت(Individualism) کا تصوّر ہے، جبکہ ڈیموکریسی ایک اجتماعی فکر (Collectivism) کی عکاس ہے، پھر ان کے آپس کے جوڑ میں کیا راز پوشیدہ ہے؟! شاید اس کا جواب ایک فیصد مراعات یافتہ طبقہ اور ان کی اندھی تقلید میں غرق افراد ہی بتا سکتے ہیں!

حوالہ جات

1۔ محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۱۶ق, ج۵، ص۱۲۶

2۔ اردو لغت، اردو ترقی بورڈ کراچی ج۵، ص590

3۔ جان دیویی، منطق تئوری تحقیق، ص ۱۲

4۔ ژان شاتو، مربیان بزرگ، ص۳۳۹

5۔ راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن, تحقیق صفوان عدنان داودی، دار القلم، دمشق، ۱۴۱۶ق، ج۱، ص۵۸۰

6۔ پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، فلسفہ تعلیم وتربیت، ج۱، چ ۴، انتشارات وزارت خارجہ تہران، ۱۳۸۰ , ص۳۳۷

7۔ ابوطالبی، مہدی، تربیت دینی از نظر امام علی موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۳، ص ۱۱۳-۱۱۹

8۔ رہنمایی، سید احمد، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۸، ج۲, ص۶۸-۶۹

9۔ شہید مرتضی مطہری، مجموعہ آثار، صدرا، تہران، ۱۳۷۴، ج ۲، جہان بینی توحیدی، ص۷۵۔

10۔ اردو لغت بورڈ کراچی، ج۱۷، ص۲۷۵

11۔ ابوطالبی، مہدی، تربیت دینی از نظر امام علی موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۳، ص ۱۱۳-۱۱۹

12۔ طاہری، حبیب اللہ، بررسی مبانی فرہنگ غرب وپی آمدہای آن، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۳، ص۳۱

13۔ رہنمایی، سید احمد، درآمدی بر فلسفہ تعلیم و تربیت، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۸، ج۲ص ۸۶-۱۰۵

14۔ Fukuyama, Francis, "End of History and the last Man"

15۔ آس والڈ، فلسفہ کیا ہے؟، ص ۳۵

16۔ مصباح یزدی، استاد محمد تقی، آموزش فلسفہ ، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۳ج۱، ص ۳۷-۴۲

17۔ حسین زادہ، محمد، معرفت شناسی، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، ج۱۲، قم، ۱۳۸۹، ص۱۰۷-۱۱۵

18۔ طاہری، حبیب اللہ، بررسی مبانی فرہنگ غرب وپی آمدہای آن، بوستان کتاب، قم، ۱۳۸۳، ص ۱۳۸-۱۳۹

19۔ قنبری، دکتر آیت، نقدی بر اومانیسم و لیبرالیسم، فراز اندیشہ، قم، ۱۳۸۳
20 ۔Oxford Advanced Learner's. P 1143
21۔ اردو لغت ترقی اردو بورڈ کراچی ج۱ص۲۸۶
22۔ زمانی، دکتر مہدی، تاریخ فلسفہ غرب، ج۲، دانشگاہ پیام نور، تہران، ۱۳۸۶
23۔ مصباح، مجتبیٰ، فلسفہ اخلاق، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی ،ج۱۳، قم، ۱۳۸۴،، ص۱۳۰-۱۶۴
24۔ ہوارد و سموئل، مبانی فلسفی تعلیم وتربیت، ترجمہ گروہ علوم تربیتی، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۷
25۔ زاہدی، مرتضی، نظریہ تربیتی اسلام، موسسہ فرہنگی صابرہ، تہران، ۱۳۸۵،، ص۴۲۰
26۔ سورہ جمعہ ۲، بقرہ ۱۵۱، آل عمران، ۱۶۴
27۔ زاہدی، مرتضی، نظریہ تربیتی اسلام، موسسہ فرہنگی صابرہ، تہران، ۱۳۸۵،، ص۶۹، ۶۷
28۔ محمد تقی مصباح یزدی، فلسفہ اسلامی، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، ج۵، قم، ۱۳۸۳، ج۱، ص۱۵۱-۱۵۳
29۔ رہنمایی، سید احمد، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ص۷ ۲۳
30۔ ابوطالبی، مہدی، تربیت دینی از نظر امام علی موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی، قم، ۱۳۸۳، ص۱۲۹
31۔ رہنمایی، سید احمد، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ص۲۱۹-۲۲۶۔
32۔ مصباح، مجتبیٰ، فلسفہ اخلاق، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی ،ج۱۳، قم، ۱۳۸۴، ص۱۸-۱۹
33۔ جمعی از نویسندگان، درسنامہ فلسفہ حقوق، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۸
34۔ مصباح یزدی، استاد محمد تقی، آموزش فلسفہ ج۱، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ۱۳۸۳، ج۱، ص۲۶۲-۲۶۴
35۔ امین زادہ، محمد رضا، فلسفہ اخلاق، انتشارات انصاری، قم ۱۳۸۳ ،ص۱۰-۷، ۳، ۲۰، ۱۱
36۔ رہنمایی، سید احمد، درآمدی بر فلسفہ تعلیم وتربیت، موسسہ آموزشی وپژوہشی امام خمینی رہ، قم، ص۲۴۸۔۲۴۹
37۔ پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، فلسفہ تعلیم وتربیت، ج۱، چ۴، انتشارات وزارت خارجہ تہران، ۱۳۸۰، ص۴۰۳، ۴۰۰
38۔ مرتضی مطہری، فطرت؛ صدرا، تہران، ۱۳۷۳ ج۱، ص۲۴۰۔۲۶۰۔
39۔ پژوہشکدہ حوزہ و دانشگاہ، فلسفہ تعلیم وتربیت، ج۱، چ۴، انتشارات وزارت خارجہ تہران، ۱۳۸۰ص۴۱۷